Fikr-o-Nasar (Islamabad) 4:1-2 (1966)

دنیائے اسلام کا عروج اور زوال

ثروت صولت

ہر قوم کا ماضی، حال اور مستقبل ہوتا ہے۔ "ملت اسلامیہ" کا بھی ماضی حال اور مستقبل ہے۔ ہمارا ماضی تقریباً چودہ سو سال پرانا ہے۔ دنیا کے بیشتر ترقی یافتہ ممالک جب نیم وحشیانہ زندگی گزار رہے تھے، ملتِ اسلامیہ اس وقت تہذیب و تمدن کے عروج پر تھی۔ اور آج اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ قرون وسطیٰ کے یورپ کے تاریک دور میں علم و فن اور تہذیب و شائستگی کی روشنی مسلمانوں ہی نے پھیلائی۔ یورپ کے قرون وسطیٰ میں نہ صرف ابن رشد کا فلسفہ علمی دنیا پر چھایا ہوا تھا۔ بلکہ غزالی اور ابن حزم کے اثرات بھی کم نہیں تھے۔ طب میں رازی اور ابن سینا کی کتابیں صدیوں تک درس میں داخل رہیں۔ یہ زہراوی ہی تھا جو جدید علم الجراحت کا بانی سمجھا جاتا ہے اور یہ جابر بن حیان ہی تھا جسے یورپ والے جدید علم کیمیا کا ابوالاباء سمجھتے ہیں۔ یہ مسلمان ہی تھے، جنہوں نے یورپ والوں کو موجودہ ہندسے دیئے اور صفر کا استعمال سکھایا۔ مسلمان ان اوّلین قوموں میں سے ہیں، جنہوں نے جہازرانی میں پہلی مرتبہ "قطب نما" استعمال کیا اور جنگوں کے دوران پہلی مرتبہ بارود اور آتشیں اسلحہ استعمال کئے۔ فن تعمیر اور آرٹ کو مسلمانوں نے جو ترقی دی، اس کے آثار آج بھی تاج محل سے الحمرا تک دیکھے جا سکتے ہیں۔ ان کے بنائے ہوئے پل، سڑکیں، ذخیرہ ہائے آب، مدرسے، کارواں سرائے اور شفاخانے، اگرچہ آج کھنڈروں میں تبدیل ہو گئے ہیں لیکن ان کے آثار اسلامی دنیا کے چپے چپے پر بکھرے ہوئے رفاہِ عام سے مسلمان سلاطین اور امراء کی دلچسپی کی شہادت دے سکتے ہیں۔ مسلمانوں نے دنیا کو صرف عقل اور تجربے سے ہی کام لینا نہیں سکھایا، بلکہ اخلاق کی تعلیم بھی دی۔ انھوں نے توحید کی تعلیم دے کر انسان کی توقیر

بڑھائی، رنگ و نسل کا امتیاز ختم کیا، رواداری کا سبق دیا۔ انھوں نے دنیا کے ایک وسیع علاقے کو ام الخبائث "شراب" کی لعنت سے بچانے کی کامیاب ترین کوشش کی، اور جنسی بے راہ روی کو اس خوش اسلوبی سے روکا کہ اس کی مثال دنیا کی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔

یہ تھا ہمارا ماضی۔ اس پر ہمیں بجا طور پر فخر ہے۔ آج ہمارے دورِ زوال میں یہ ماضی ہمارے لئے بہت بڑا سہارا ہے۔ اسی کی بدولت ہم آج احساسِ کمتری سے بچے ہوئے ہیں جو قوموں اور تہذیبوں کے لئے بدترین زہر ہے۔ یہی ماضی کے کارنامے ہیں جو ہمیں مستقبل کی تعمیر پر انگیز کرتے ہیں

مسلمانوں کا عروج ایک ہزار سال تک رہا۔ اس ایک ہزار سال کی مدت میں مسلمان دنیا کی سب سے بڑی سیاسی طاقت اور اسلامی ممالک تہذیب و شائستگی کے دنیا میں سب سے بڑے مرکز بنے رہے۔ اتنے وسیع علاقے میں اتنی طویل مدت تک تاریخ میں کسی دوسری قوم کو عروج حاصل نہیں ہوا۔ نہ چینیوں کو نہ اہل ہند کو اور نہ یونان و روما کے باشندوں کو۔ اس کے بعد مسلمان زوال کی اسی راہ پر چل پڑے جس پر ان سے پہلے چینی، ہندی، مصری، یونانی اور رومی چل چکے تھے اور جس سے دنیا کی کسی قوم کو مفر نہیں

۱۶۹۹ء میں جب عثمانی ترک کارلووٹز کا صلح نامہ کرنے پر مجبور ہوئے تو اسلامی دنیا کا سیاسی زوال شروع ہو گیا۔ مسلمان اب پیچھے ہٹ رہے تھے۔ ہنگری ان کے ہاتھ سے پہلے نکلا۔ ۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب کا انتقال ہوا اور مغلیہ سلطنت کے زوال کی گھنٹی بج گئی۔ تقریباً اس زمانے میں جاوا کا حکمران سلطان اگونگ اس دنیا سے چل بسا۔ سلطان اسماعیل کے انتقال کے بعد مراکش بھی زوال کی راہ پر گامزن ہو گیا۔ مغرب کی قوموں نے اب آگے بڑھنا شروع کیا۔ وہ آہستہ آہستہ اسلامی ملکوں پر قابض ہوتی گئیں اور انہوں نے ان کی دولت لوٹ کر اپنے خزانے معمور کر لئے۔ ۱۹۲۲ء اسلامی تاریخ کا بدقسمت ترین سال تھا۔ اس سال دو ایک ملکوں کے علاوہ سارے اسلامی ملک غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ اس کے بعد حالات بدلنا شروع ہوئے۔ اسلامی دنیا میں آزادی کی جدوجہد نے زور پکڑ لیا اور دوسری عالمی جنگ کے بعد آزاد ہونے والے ملکوں کی تعداد تیزی سے بڑھنے لگی۔ آج آزاد اسلامی ممالک کی تعداد ۲۸ تک پہنچ چکی ہے۔ یہ تمام ممالک اقوام متحدہ کے رکن ہیں۔ غیر اشتراکی دنیا میں سوائے چند مختصر

اور منتشر خطوں کے اب کوئی ملک غلامی کی زندگی نہیں گزار رہا ہے۔

اس آزاد اسلامی دنیا کا رقبہ نوے لاکھ مربع میل اور آبادی ۴۵ کروڑ سے زیادہ ہے۔

اشتراکی دنیا میں واقع سات ملکوں کا مجموعی رقبہ ۲۱ لاکھ مربع میل اور آبادی ۳½ کروڑ سے زیادہ ہے۔ ان ملکوں میں مسلمانوں کی تعداد میں تیزی سے کمی ہوتی جا رہی ہے۔ قازقستان، جہاں روسی باشندوں کا تناسب ۵۱ فیصد ہو چکا ہے، مسلم اقلیت کا ملک بن چکا ہے۔ کرغیزیہ میں بھی روسی آبادکاروں کا تناسب ۳۷ فیصدی تک پہنچ گیا ہے۔ وسط ایشیا کی دوسری جمہوریتوں میں بھی یہی عمل تیزی سے جاری ہے اور کہا جاتا ہے کہ سنکیانگ میں بھی چینی آبادکاروں کی تعداد تیزی سے بڑھ رہی ہے۔

آزاد اسلامی دنیا اس وقت مختلف مسائل سے دوچار ہے۔ مسلمانوں نے مغرب کی سیاسی غلامی کا جوا تو اپنے کندھوں سے اتار پھینکا ہے لیکن وہ اب مغرب کی نظریاتی، سماجی اور ثقافتی غلامی کے خطرے سے دوچار ہیں۔ افلاس عام ہے، خواندگی کا تناسب غیر اسلامی ملکوں کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ جاوا، مشرقی پاکستان اور مصر میں آبادی کا مسئلہ نازک شکل اختیار کر گیا ہے۔ مختصر یہ کہ کسی کو کچھ دینے کی بجائے، جیسا کہ ہم ماضی میں کر چکے ہیں، ہم اپنی ہی مصیبتوں میں مبتلا ہیں۔

ان تمام باتوں کے باوجود مایوسی کی کوئی وجہ نہیں۔ یہ جو کچھ ہو رہا ہے، ہمارے ہی اعمال کا نتیجہ ہے۔ پھر یہ باتیں اسلامی دنیا کے ساتھ مخصوص نہیں: جن لوگوں نے دنیا کی تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ دنیا کی دوسری قومیں بھی ایسے ہی راستوں سے گزر چکی ہیں اور ایسی ہی مشکلات ان کو درپیش آ چکی ہیں۔ ان کی مثالیں ہمیں بتاتی ہیں کہ مسائل کا مردانہ وار مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ جس ملت کے افراد نے چالیس سال کی مختصر مدت میں نوے لاکھ مربع میل کے رقبے سے دو سو سالہ مغربی استعمار کو ختم کر کے آزادی کا تاج اپنے سروں پر رکھا۔ وہ یقیناً اس قابل ہے کہ اپنے باقی مسائل کو بھی حل کر لے۔ یہ ایک عبوری دور ہے جس سے ہم انشاء اللہ جلد ہی گزر جائیں گے۔

اسلامی دنیا کے وسائل لامحدود ہیں اور اگر ہم خدا کی دی ہوئی ان نعمتوں سے فائدہ اٹھائیں تو ہم اپنا سابقہ مقام ایک بار پھر حاصل کر سکتے ہیں۔ ربڑ، ٹن اور اچھے قسم کی پٹ سن کی اسلامی دنیا کو اجارہ داری حاصل ہے۔ روئی کی پیداوار کے لحاظ سے بھی اسلامی دنیا کو کم اہمیت حاصل نہیں

دنیا میں سب سے زیادہ بجسائیٹ اور فاسفیٹ اسلامی دنیا میں ہوتا ہے۔ دنیا میں پٹرول کی پیداوار کے ایک تہائی حصے میں اسلامی ممالک شریک ہیں۔ قدرتی گیس اور آبی وسائل کی بھی کمی نہیں۔ اور لوہے کے وسیع ذخائر کا انکشاف ہوتا جارہا ہے۔ اگر کچھ ملکوں میں زرعی پیداوار کی کمی ہے اور اس کو ترقی دینے کے امکانات محدود ہیں تو دوسری طرف ایسے ملک بھی ہیں، جن میں زرعی ترقی کے امکانات بہت زیادہ ہیں۔

غرض اسلامی دنیا میں قدرتی وسائل دولت کی کمی نہیں۔ کویت اور قطر اور اس طرح کے جزیرہ عرب کے دوسرے ساحلی مقامات جہاں کبھی ایک انسان کا زندہ رہنا مشکل تھا، اب وہاں سے بکثرت تیل نکل رہا ہے۔ اور دولت کی وہ ریل پیل ہے کہ اسے سنبھالنا کارے دارد۔ لیبیا، مصر اور تیونس کے درمیان ایک صحرائی علاقہ تھا، جہاں صرف بحیرہ روم کے ساحل کے قریب قریب تھوڑی سی آبادی تھی۔ اب وہاں سے بھی تیل برآمد ہوا ہے۔ اور سنوسیوں کا یہ ملک دنیا کا ایک مالدار ملک بن رہا ہے۔

یہ سب صحیح، لیکن یہ ایک حقیقت ہے، اور بڑی رنج دہ حقیقت ہے کہ ان قدرتی وسائل دولت سے کام لینے کے لئے ہم ابھی تک زیادہ تر غیر مسلم اجنبی قوموں کے محتاج ہیں۔ انہی کے پاس تیل نکالنے کی اجارہ داریاں ہیں اور وہی اس سے زیادہ تر فائدہ اٹھاتے ہیں۔

ایک زمانہ تھا کہ مسلمان سیاست، اجتماعیت اور تجارت میں دنیا میں سب سے آگے تھے، اسی طرح وہ سائنسی علوم میں بھی دنیا کے امام تھے۔ انھوں نے اس عہد کی قوموں سے، جن کے ہاں علوم و فنون کے ذخیرے بند پڑے تھے، ان ذخیروں کو لیا، انہیں چھانا پھٹکا، ان میں مفید اضافے کئے اور اس طرح وہ اس عروج کو پہنچے، جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔

مسلمان قومیں آج اپنے اس تاریخی عمل کو پھر دہرا رہی ہیں، اُن کے ہاں بڑی سرعت سے تعلیم پھیل رہی ہے اور مسلمان جدید اور سائنسی علوم کو بڑی رغبت سے حاصل کر رہے ہیں۔ چنانچہ وہ دن دور نہیں، جب ہم مغربی قوموں سے ان علوم

میں پیچھے نہیں رہیں گے اور ان کے شانہ بہ شانہ چلنے کے قابل ہو جائیں گے۔

اس ضمن میں سب سے امید افزا بات یہ ہے کہ افریقی قومیں ایک ایک کر کے آزاد ہو رہی ہیں۔ اب یہ واقعہ ہے کہ افریقی عوام میں بڑی جان اور توانائی ہے اور ان میں ترقی کرنے کی لامحدود قدرتی صلاحیتیں بھی ہیں۔ اس کے ساتھ برّاعظم افریقہ کی دولت کے ذخیرے بہت حد تک مغربی سامراج کی لوٹ کھسوٹ سے محفوظ رہے ہیں۔ خوش قسمتی یہ ہے کہ افریقی اقوام میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد ہے۔ اور اگر افریقہ ترقی کرتا ہے تو اس سے لامحالہ مسلمان بھی ترقی کریں گے۔

علامہ اقبالؒ نے شاید ۱۹۱۲ء میں اپنی نظم جواب شکوہ میں اسی افریقہ کی طرف ان اشعار میں اشارہ کیا تھا۔

مردمِ چشمِ زمیں، یعنی وہ کالی دُنیا
وہ تمہارے شہدا پالنے والی دُنیا

گرمیٔ مہر کی پروردہ ہلالی دُنیا
عشق والے جسے کہتے ہیں بلالی دُنیا

تپش اندوز اسی نام سے پارے کی طرح
غوطہ زن نور میں ہے، آنکھ کے تارے کی طرح